امام اہلسنت حضرت اقدس

حضرت مولانا سرفراز خان صاحب کا

خط بنام طارق جمیل

www.difaetabligh.com

پہلا الزام: ''مذہبِ امام اعظم ابوحنیفہؒ مرجوح ہے، مگر ہمیں قبول ہے۔ کیونکہ اب ہم دوبارہ تحقیق نہیں کر سکتے۔''

اگر یہ الزام درست ہے تو؟

ہمارے خیال میں ممکن ہے آپکی عبارت صرف مجمل ہونے کی وجہ سے غلط فہمی پیدا کر رہی ہو۔ اگر آپ کو اسکی تفصیل بیان کرنے کا موقع مل جاتا تو شاید کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہوتی۔۔۔۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کے مذکورہ الفاظ میں آپ کا مئوقف نہ ہو اور نہ آپ مذہبِ ابی حنیفہؒ کے مرجوح ہونے کے قائل ہوں۔ آپ کے یہ الفاظ صرف اس غیر مقلد کو ٹالنے اور اس سے فضول و غیر ضروری بحث کرنے سے بچنے کی خاطر ہو۔ کو غیر مقلد آپ سے خواہ مخواہ بحث کر کے آپ کا وقت ضائع کرنا چاہتا تھا۔ جو کہ غیر مقلدین کی فطرت ہے۔

لیکن اگر بالفرض آپ پر یہ الزام امر واقعہ ہے۔ اور آپ واقعی فقہ حنفی کو دیگر فقہی مذاہب (فقہ مالکی، فقہ شافعی، فقہ حنبلی) کے مقابلہ میں مرجوح و کمزور خیال کرتے ہیں تو پھر یقینا آپ غلطی پر ہیں۔ کیونکہ ہمارے جملہ آئمہ احناف نے فقہ حنفی کو نہ صرف دیگر مذاہب پر اسکی ترجیح کی وجہ سے قبول کیا ہے۔ بلکہ اس کے راجح مذہب ہونے پر بے شمار دلائل بھی دیئے ہیں اکابرین احناف کو فقہ حنفی کے راجح مذہب ہونے کا پورا یقین تھا۔ اسکی تفصیل دیگر کتب کے علاوہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات میں جا بجا موجود ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر حضرت امامؒ ربانی فرماتے ہیں کہ۔ ''اہل اسلام کا سوادِ اعظم ابوحنیفہؒ کا متبع و مقلد ہے۔ جو اس کے دیگر مذاہب سے ممتاز اور حق ہونے کا ثبوت ہے''۔۔۔ (مکتوب، دفتر دوم ص ٦٧)

حضرت امام ربانیؒ کا مذکورہ فرمان انتہائی قابل توجہ ہے۔ وہ اپنے فرمان میں اس بات کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ جس طرح دیگر امتوں پر امت مسلمہ کی کثرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے باعث فخر ہے۔ اور یہ امت مسلمہ کا دیگر اُمتوں پر امتیاز ہے۔ اسی طرح امت مسلمہ کے اندر موجود فقہی مذاہب میں مقلدین فقہ حنفی کی کثرت امام اعظم ابوحنیفہ کیلئے باعث فخر اور فقہ حنفی کا دیگر مذاہبِ فقہ پر امتیاز ہے۔

sangeenfitna.blogspot.com

دسویں صدی ہجری کے مجدد اور عظیم محدث حضرت شیخ علامہ ملا علی قاریؒ نے تو مرقات شرح مشکوٰۃ جلد۔۔ص۔۔ میں فرمایا ہے۔ کہ ہر دور میں مقلدین آئمہ اربعہؒ کے درمیان عددی تناسب کا جو فرق سامنے آیا ہے۔ اس حوالہ سے ہر دور کے اندر اُمت مسلمہ کا ۷۰ فیصد طبقہ فقہ حنفی سے وابستہ رہا ہے۔ اور اس وقت (پندرہویں صدی ہجری میں) بھی تناسب یہی ہے۔ حضر مجدد الف ثانیؒ اپنے اسی مکتوب کے اندر حضرت خواجہ محمد پارساؒ کا یہ قول بھی نقل فرماتے ہیں کہ ''فقہ حنفی اپنے دلائل و براہین کے اعتبار سے اتنی ٹھوس اور مضبوط ہے کہ'' حضر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام جب قرب قیامت میں آسمان سے نزول فرما کر زمین میں چالیس سال خلافت کریں گے تو اجتہادی مسائل میں ان کا اجتہاد امام اعظم ابوحنیفہؒ کے اجتہاد کے موافق ہوگا۔ (ایضاً۔مکتوب ۶۷)

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے اسلاف کو فقہ حنفی کے راجح ہونے کا کس حد تک یقین و اعتماد تھا۔ اکابر کے اس یقین و اعتماد کو نظر انداز کر کے اس مذہب کو مرجوح خیال کرنا کسی تحقیق کا نتیجہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

دوسرا الزام: ''موجودہ دور میں چونکہ مسلمانوں کے پاس جہاد کی طاقت و استعداد موجود نہیں۔ لہٰذا اس دور میں مسلمانوں پر جہاد ساقط ہے۔ کیونکو طاقت کا دور کمزوری کے دور کیلئے دلیل نہیں بن سکتا۔ طاقت و استعداد موجود نہ ہونے پر فرض عین ہونے کی صورت میں بھی جہاد ساقط ہر جاتا ہے۔''

اگر یہ الزام درست ہے تو؟

ہم انتہائی دردِ دل کے ساتھ یہ عرض کرنا چاہیں گے کہ مذکورہ یہی مؤقف ایک طویل عرصہ سے تبلیغی جماعت کے بعض بزرگوں اور نچلے طبقہ کے حوالہ سے مسلسل گردش کر رہا ہے۔ جس کی صفائی دینے اور جماعت کی مرکزی قیادت کو اس سے بری الزمہ قرار دینے کیلئے ہم نے اپنی تمام توانائیاں صرف کیں۔ بہت سے حضرات کی زبانیں بند کیں، متعدد لوگوں کے قلم روکے، لیکن اب بعینہ وہی مؤقف آپ جیسے ذمہ دار آدمی کی تقریر اور بیان میں سن کر ہمارے دلوں پر جو بیت رہی ہے۔ اس کیفیت کا اندازہ آپ شاید نہ کر سکیں۔ متعدد تبلیغی بزرگوں کے سامنے ہم سخت و نرم ہر قسم کے الفاظ و لہجہ میں یہ بات کر چکے ہیں کہ جب آپ کا دائرہ ءجد و جہد متعین ہے۔ اس کیلئے بزرگوں نے چھ نمبر اور نصاب تک متعین کر دیے ہیں۔ تو آخر بزرگوں کے متعین کردہ دائرہ سے باہر نکل کر دوسرے دینی محاذوں پر کام کرنے والوں پر تنقید یا ان کے کام کو غلط قرار دینے کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟ جہاد و قتال کا دائرہ دعوت و تبلیغ کے دائرہ سے قطعی مختلف ہے دعوت کیلئے جس قدر نرمی کی ضرورت ہے۔ جہاد کیلئے شدت کا تقاضا اس سے شدید تر ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اپنے نصاب اور ہدف سے ہٹ کر گفتگو کرنا آخر کس کی خوشنودی کیلئے ہے؟

آپ کا نکتہ نظر یہی ہے یا اس سے مختلف؟ اس کی وضاحت تو آپ ہی کر سکتے ہیں۔ لیکن ہم اس نکتہ نظر کو بہر حال درست تسلیم نہیں کرتے اس لئے کہ۔۔۔۔۔ جہادِ اقدامی۔۔۔ اور جہادِ دفاعی۔۔۔۔ کے درمیان شرعی و عقلی فرق کو اس مقام پر ملحوظ نہیں رکھا جا رہا۔۔۔ کفار پر غلبہ حاصل کرنے کیلئے جہاد کرنا۔۔ اور کفار کے غلبہ سے بچنے کیلئے جہاد کرنا۔۔۔۔ بہر حال دو مختلف نوعیتیں ہیں۔ اور دونوں کے درمیان فرق کرنا بھی ناگزیر ہے۔ کیسے ممکن ہے کہ دونوں کے احکاماتِ شرعیہ ایک جیسے ہوں۔ یہ تو عقلاً بھی محال ہے۔ کیونکہ خود کسی کے

ساتھ جنگ لڑنے کیلئے تو طاقت واستعداد کا موجود ہونا سمجھ آتا ہے۔لیکن خود پر مسلط کردہ جنگ کیلئے طاقت واستعداد کا انتظار کرنا نا قابل فہم ہے۔اس وقت تو موجود ومیسر طاقت کو بروئے کار لا کر اپنی سرزمین اور اپنی عزت وآبرو کو بچانے کیلئے کچھ کر گزرنا ہی فطرت وعقل کا تقاضا ہے۔کیا افغان مسلمانوں نے پسٹلوں، ریوالوروں، بندوقوں، اوران جیسے چھوٹے ہتھیاروں سے روسی افواج کی ایٹمی یلغار کو نہیں روکا؟ کیا فلسطینی مسلمان بچوں نے غلیلوں کے ساتھ اسرائیلی ٹینکوں کا طوفان نہیں روکا؟ کیا خداوند کائنات نے بے سروسامانی کی حالت میں بھی ان کی مدد نہیں کی؟

کیا یہ حیرت انگیز تضاد نہیں ہے کہ جب دعوت کیلئے لوگوں کو بلایا جائے تو ان سے کہا جائے اللہ پر توکل کر کے نکلو گھر والوں کو خدا کے بھروسہ پر چھوڑو، بیوی بچوں کو خدا کے آسرے پر چھوڑو اپنے تمام حقوق وامور خدا پر چھوڑو۔۔۔لیکن جب جہاد کی بات آئے تو پہلے طاقت پیدا کرو اور، اپنے اندر استعداد پیدا کرو۔۔۔کیا یہ طرز فکر کا دوہرا معیار نہیں۔ہے؟ کیا یہ دو خداؤں کا تصور نہیں ہے؟۔۔۔دعوت وتبلیغ والوں کا خدا اور ہے جو بڑا رحیم وکریم ہے۔تبلیغ کیلئے نکلنے والوں کے جملہ امور وحقوق ادا کرنے کی ذمہ داری لیتا ہے۔۔۔اور جہاد وقتال والوں کا خدا جدا ہے۔۔۔جو بڑا بے رحم ہے۔۔۔العیاذ باللہ تعالیٰ اس وقت تک ان کی کوئی ذمہ داری قبول نہیں کرتا جب تک کہ وہ خود اپنے لئے طاقت واستعداد پیدا نہ کرلیں یہ کتنا بھیانک طرزِ فکر ہے؟ بعدالمشرقین سے بڑھ کر تضاد ہے اس کے اندر اگر سمجھ آسکے تو۔

کیا اس سے بڑھ کر کوئی مضحکہ خیز بات ہوگی کہ کفار۔۔۔اسلامی ملک کے اندر گھس کر مسلمانوں کی گردنیں کاٹ رہے ہوں،۔۔بمباری، میزائلوں اور ڈرون حملوں کے ذریعہ نہتے مسلمانوں کا قتل عام کر رہے ہوں۔۔۔مسلم خواتین کی آبروریزی کر رہے ہوں۔۔مساجد کی بے حرمتی کر رہے ہوں۔۔۔مدارس کو ویران کر رہے ہوں۔۔۔مسلم حکمران بزدل وبے غیرت ہو چکے ہوں۔اور اسلام کے داعی یہ سبق دے رہے ہوں۔۔کہ ابھی میدان میں مت نکلو۔۔ابھی اپنے پاس موجود ہتھیار مت اُٹھاؤ۔ابھی دشمن کا ہاتھ روکنے کی کوشش مت کرو۔۔۔ابھی انتظار کرو۔۔گھر میں آرام کرو۔نمازیں پڑھو۔تسبیحات کا وظیفہ کرو۔۔دعوت وتبلیغ کیلئے نکلو۔۔اور جب تک طاقت و استعداد پیدا نہ ہو جائے اس وقت تک جہاد فرض عین ہو کر بھی ساقط ہے۔حقیقت یہ ہے کہ اس عجیب وغریب فلسفہ کو نہ ایمان قبول کرتا ہے۔نہ عقل۔۔اور نہ ضمیر میں چند لمحوں کیلئے اگر آپ کے اس نا قابل قبول نقطۂ نظر سے اتفاق کرلوں تو چند سوالات ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔اگ آپ ان کے تسلی بخش جواب عنایت فرما سکیں تو ممنون ہوں گا۔

فلسطین! پر قوم یہود نے قوم نصاریٰ کی معاونت کے ذریعہ جس عیاری ومکاری کے ساتھ قبضہ کیا ہے۔اوامریکہ وبرطانیہ کی مسیحی طاقتوں کے تعاون سے اپنی ایک مضبوط جنگی طاقت تیار کرلی ہے۔فلسطینی مسلمانوں کے پاس اس کا مقابلہ کرنے کیلئے نہ عسکری قوت موجود ہے اور نہ سیاسی استعداد ان کی حکومتی قیادت غیر ملکی آقاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے میں مصروف ہے۔دیگر عرب ممالک کی حکومتیں خود غرضی اور مفاد پرستی کے خول میں بند ہیں۔یہودی مسجد اقصیٰ پر اپنا قبضہ مضبوط ومستحکم کرنے کیلئے مسلسل جارحانہ رویہ اختیار کئے ہوئے ہیں اوران کی جارحیت دن بدن بڑھتی جارہی ہے۔وہ آئے دن عسکری قوت استعمال کرتے رہتے ہیں اور مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے جہادی گروہ بے سروسامانی اور جدید عسکری طاقت کی عدم دستیابی کے باوجود جہاد کے ذریعہ مدافعت کا جریضہ سرانجام دے رہے ہیں ان

حلات میں آپ سے انتہائی مئودبانہ سوال ہے کہ فلسطینی مسلمانوں کا یہ جہاد صحیح ہے یا غلط؟۔۔انہیں مسجد اقصیٰ آزادی اور اپنے خطہ کے دفاع کیلئے دستیاب طاقت کو استعمال میں لاکر یہ فریضہ سرانجام دیتے رہنا چاہئے یا اس طاقت واستعداد کا انتظار کرنا چاہئے۔جسکی بظاہر کوئی صورت ممکن نظر نہیں آتی؟

کشمیر: پر ہندو سامراج نے جس طرح غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے۔ اور وہاں کے مسلمانوں کو انسانی و مذہبی حقوق ، بلکہ حق خودارادیت تک سے محروم کر رکھا ہے۔ان حالات میں کشمیری قوم کے چند جہادی گروہ یا حریت پسند جو جنگ لڑ رہے ہیں، وہ درست ہے یا غلط؟ کیا انہیں اپنے وطن کی آزادی کیلئے یہ جنگ جاری رکھنی چاہئے یا اس طاقت واستعداد کا انتظار کرنا چاہئے جس کے دور دور تک کوئی آثار نظر نہیں آرہے؟ اور کیا اس انتظار میں انڈین آرمی کی گرفت کشمیر پر مزید مضبوط تو نہیں ہوجائیگی؟

افغانستان: کے اندر روسی افواج کے داخلہ کے بعد وہاں کی مقامی جہادی تنظیموں اور بیرونی مجاہدین کے ان سے تعاون کا اقدام، اور روسی افواج کے خلاف ان کا جہاد صحیح تھا یا غلط؟ جبکہ وقت یہ ثابت بھی کر چکا ہیکہ مجاہدین کا وہ اقدام سو فیصد درست تھا۔اور ان کے اس اقدام نے سوویت یونین کے بخئے ادھیڑے۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ اگر افغانستان کے جہادی گروہ بے سروسامانی اور طاقت و استعداد کے موجود نہ ہونے کے باوجود جہادی قدم نہ اُٹھاتے تو کیا اس وقت افغانستان آزاد ہوسکتا؟۔۔کیا وہاں طالبان کی اسلامی خلافت کا قیام عمل میں آسکتا؟ اور کیا سوویت یونین کا شیرازہ بکھر سکتا؟۔۔کیا یہ جہاد ہی کی برکات نہ تھیں؟

عراق: کے خلاف بھی جوہری مواد چھپانے کے جھوٹے اور من گھڑت الزامات عائد کر کے امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے اپنی فوجیں عراق میں داخل کر دیں، جو تا حال عراق کے اندر موجود ہیں۔ اور آئندہ طویل مدت تک ان کی واپسی کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ان حالات میں عراق کے جہادی گروہ آزادی وحریت کی جو جنگ لڑ رہے ہیں وہ جنگ صحیح ہے یا غلط؟۔۔۔کیونکہ یقیناً ان کیساتھ امریکن، جرمن، پرٹش اور فرانسیسی افواج اور انکی جنگی ٹیکنالوجی کا مقابلہ کرنے کیلئے طاقت واستعداد موجود نہیں۔۔۔کیا وہ اپنی جہادی سرگرمیاں جاری رکھیں یا ان سرگرمیوں کو ترک کر کے اس طاقت واستعداد کا انتظار کریں جو فی الوقت صرف ایک خواب وخیال کی حیثیت رکھتی ہے؟

میرے انتہائی قابل احترام بھائی یہ تو چند مثالیں صرف وہ ہیں جن کے منظر وپسِ منظر سے تقریباً پوری دنیا واقف ہے۔اور ہم نہیں جانتے کہ ان علاقوں میں جہادی گروہ جو جہادی سرگرمیاں سرانجام دے رہے ہیں وہ غلط اور دین واسلام کے خلاف ہوں۔۔۔اگر آپ کے نزدیک ان کی سرگرمیاں غلط ہیں تو خدارا ان کیلئے کوئی متبادل راستہ ضرور بتادیجئے، جس سے ان کو آگاہ کیا جاسکے۔

معذرت کے ساتھ:

اس مقام پر انتہائی معذرت کے ساتھ میں ایک غیر مناسب سوال کرنے کی اجازت چاہوں گا کہ۔۔۔آپکے فکر وفلسفہ کے مطابق بغیر طاقت واستعداد کے جہادِ فرض عین بھی ساقط ہے۔اب اس طاقت واستعداد کا صرف انتظار کرنا ضروری ہے یا عملی طور پر اس کے

حصول کی کوشش کرنا بھی کوئی فریضہ ہے؟۔۔۔۔اگر اس کے حصول کی کوشش کرنا بھی ضروری ہے اور واقعتا ضروری ہے تو آپ صرف انتظار کی دعوت دے رہے ہیں یا اس کے لئے کوئی عملی کوشش بھی جاری ہے؟ اُمید ہے کہ آپ اس سوال کو محسوس نہیں فرمائیں گے۔

محترم: آپ یا تبلیغی جماعت کے بعض حضرات کے اس طرز فکر کے بہت سے نقصانات سامنے آرہے ہیں۔

پہلا یہ کہ جہادی ذوق وجذبہ رکھنے والے طبقات جماعت سے کٹتے جارہے ہیں۔اور اس وقت دو آوازیں بالکل مقابل وآمنے سامنے آرہی ہیں۔پہلی یہ کہ اسلحہ نہیں بستر اُٹھاؤ۔۔۔دوسری یہ کہ بستر نہیں کلاشن اُٹھاؤ۔یہ دونوں آوازیں بہت خطرناک ہیں۔کیونکہ بستر اور اسلحہ دونوں اپنے اپنے مقام پر اہمیت کی ءحامل ہیں۔دونوں میں سے کسی ایک کی بھی نفی اسلام اور مسلمان دونوں کیلئے زہر قاتل ہے۔

دوسرا یہ کہ جماعت کا بالکل جاہل طبقہ اس نکتہ نظر کا بڑا ہی مہلک اثر لے رہا ہے۔اس اثر کا اندازہ آپ اس واقعہ سے بخوبی کرسکیں گے کہ اپنے ہی علاقہ میں ایک مسجد کے اندر جمعہ پڑھانے کیلئے میں نے ایک خطیب بھیجا جس نے اپنے ذہن کے مطابق موضوع منتخب کر کے جہاد کی اہمیت وفرضیت پر تقریر کردی۔خطبہ جمعہ کے بعد اسی مسجد سے تعلق رکھنے والے ایک تبلیغی ساتھی نے خطیب کو بٹھا کر جو لیکچر دیا وہ یہ تھا کہ ''جہاد کے موضوع پر تقریر نہ کیا کریں۔اگر لوگ جہاد پر چلے گئے تو اللہ کے راستہ میں کون نکلے گا''

محترم! اس جملہ پر غور کیجئے۔اور یہ جملہ کہنے والا شبِ جمعہ یا سہ روزہ والا تبلیغی نہیں، بلکہ فنافی التبلیغ ہے۔لیکن ہے چٹا (کورا) ان پڑھ۔ اسکی جہالت کو سامنے رکھتے ہوئے تو جملہ کسی توجہ کا مستحق نہیں۔لیکن اس کے جماعت کے ساتھ گہرے تعلق کی بنا پر یہ بات ذہن میں ضرور آتی ہے کہ اسکی یہ ذہن سازی کہاں ہوئی؟

تیسرا الزام:

''علماءِ دیوبند نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں حصہ لیکر غلطی کی، جسکی وجہ سے بعد میں انہیں مفرور ہونا پڑا کیونکہ ان کے پاس جہاد کی طاقت واستعداد موجود نہ تھی''

اگر یہ الزام درست ہے تو؟

ہمارے خیال میں اسکی بنیادی وجہ یہ ہے کہ آپ کے ذہن میں یہ غلط وخلاف حقیقت تصور شاید اس لئے بیٹھ گیا ہے کہ آپ برصغیر پاک وہند کی مسلم تاریخ سے پوری طرح واقف وباخبر نہیں ہیں۔اس لئے میں آپکی توجہ تاریخ برصغیر کے چند حقائق کی طرف دلانی چاہتا ہوں۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی: آپ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے حالات وواقعات کا اگر گہری نظر سے مطالعہ کریں تو آپ پر یہ حقیقت پوری طرح واضح وآشکار ہوجائیگی کہ۔۔یہ جنگ پانچ سو علماء کرام کے متفقہ فتوٰی جہاد کی بنیاد پر لڑی گئی، چند علماء کو شرعی طور پر تردد تھا۔اور چند علماء کمزوری کا مظاہرہ کررہے تھے۔اکثر علماء نے فتوٰی پر دستخط کردیئے تھے۔جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حسبِ ضرورت جنگی طاقت واستعداد موجود تھی۔۔۔تاریخی حقائق اس صورتِ حال کو پوری طرح آشکارا کرتے ہیں کہ یہ جنگ کسی کمزوری کی وجہ سے نہیں

sangeenfitna.blogspot.com

بلکہ چند خودغرض، ملت فروش منافقین کی منافقت اور غداری کی وجہ سے ہاری گئی۔۔۔۔دہلی وشاملی اور بعض دیگر علاقوں پر مجاہدین کا قبضہ تقریباً مکمل ہو چکا تھا۔لیکن چند غداروں کی غداری نے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا۔اور ملت فروشی وغداری کی یہ شرمناک داستان تو اتنی طویل ہے کہ منافقین کے منحوس وجود سے نہ عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محفوظ تھا اور نہ عہد خلافت راشدہؓ۔۔۔۔مجایدین کی کمزوری اور منافقین کی غداری کے درمیان فرق تو بہر حال کرنا ہوگا۔کیونکہ کمزوری کا راستہ جدا ہے اور غداری کا الگ۔

تحریک بالاکوٹ: بھر اگر آپ ۱۸۵۷ء کی جنگ آادی کی بیک گراؤنڈ پر نظر ڈالیں گے تو آپ کو اس کی فرنٹ لائن پر تحریک بالاکوٹ کی باقیات ہی نظر آئیں گی۔گویا یہ جنگ اسی تحریک بالاکوٹ کا تسلسل تھا جو اس جنگ کے صرف ۲۶ سال قبل پہلے ۱۸۳۱ء میں اپنے دور اول کے اختتام کو پہنچی۔یعنی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اسی کے دورِ ثانی کا اختتام تھا۔اس معرکہ بالاکوٹ میں امیر المجاہدین حضرت سید احمد شہیدؒ اور شہید فی سبیل اللہ حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ نے اپنے سینکڑوں رفقاء سمیت جام شہادت نوش کیا اس جہادی تحریک کے حقائق وواقعات پر اگر اپ نظر ڈالیں گے تو ان میں چار چیزیں بڑی اہم محسوس ہوں گی۔

پہلی یہ کہ یہ جہادی تحریک اپنی تمام تر بے سروسامانیوں کے باوجود اس وقت کی دو استدادی قوتوں کے خلاف اٹھی جن دونوں نے مسلمانوں کا جینا حرام کر رکھا تھا۔۔۔ایک فرنگی سامراج کی قوت جو اقتدارِ دہلی پر اپنا تسلط قائم کر چکی تھی اور دوسری خالصہ حکومت جو ملتان سے خیبر تک پھیلی ہوئی تھی۔یہ تحریک بالاکوٹ ان دونوں استعماری واستبدادی قوتوں کے خلاج اُٹھائی تھی۔اگر چہ اس کی پہلی پنچہ آزمائی راجہ رنجیت سنگہ کی خالصہ حکومت سے ہوئی۔

دوسری یہ کہ اس تحریک جہاد کے جواز کیلئے سب سے پہلا فتوٰی سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے دیا۔جسمیں ہندوستان کو دارلحرب قرار دیا گیا۔اور یہی فتوٰی تحریک بالاکوٹ کی بنیاد بنا۔

تیسری یہ کہ اس تحریک کی بنیادی قیادت بھی خود حضرت شاہ عبدلعزیز دہلویؒ نے منتخب وفراہم کی خود اپنی نگرانی میں اسے جنگی تربیت دلوائی خود اپنی خصوصی ہدایات اور دعاؤں کے ساتھ اسے رخصت کیا۔اس تحریک کے تینوں بڑے راہنما حضرت شاہ عبدالعزیز کے منتخب کردہ اور تربیت یافتہ تھے۔یعنی۔۔۔حضرت سید احمد بریلوی شہیدؒ شاہ عبدلعزیز کے پوتے حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ۔۔اور شاہ عبدالعزیز کے داماد حضرت مولانا عبدالحی بڈھانویؒ

چوتھی یہ کہ اس جماعت مجایدین نے اٹک، نوشہرہ، چارسدہ، پشاور اور ہزارہ کے بیشتر علاقوں پر قبضہ کر کے اسلامی خلافت قائم کر لی تھی، اور بالاکوٹ کے علاقہ میں ڈیرے ڈال چکے تھے۔جہاں سے گڑھی حبیب اللہ کے راستہ مظفر آباد آزاد کشمیر تک پہنچنے کی تیاریاں کی جارہی تھیں۔کہ بعض غداروں نے دشمن کو بالاکوٹ کے خفیہ راستوں سے آگاہ کر دیا اور دشمن ان خفیہ راستوں سے بالاکوٹ میں داخل ہو گیا۔جسکی وجہ سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔یہاں بھی مجاہدین کی شکست کا باعث انکی کمزوری نہ تھی بلکہ غداروں کی غداری اور منافقوں کی منافقت تھی

معرکہءمیسور: معرکہ بالاکوٹ (۱۸۳۱ء) سے تقریباً ۳۲ سال قبل ۱۸۹۹ء میں جنگ میسور پیش آئی جسمیں فرنگی سامراج اور اسکی اتحادی افواج کے ہاتھوں شیر میسور سلطان فتح علی ٹیپوؒ شکست کھا کر شہید ہو گئے تاریخ برصغیر کو ایک عام طالب علم بھی جانتا ہے کہ سلطان ٹیپو شہیدؒ اور ان کے والد سلطان حیدر علیؒ ایک طویل مدت تک فرنگی سامراج کا مقابلہ کرتے رہی ء۔ اور انہوں نے متعدد میدانوں میں فرنگی کو عبرتناک شکست دی ان کے پاس سلطنت خداداد میسور اسلام کے ایک مضبوط قلعہ کی صورت میں موجود تھی۔ تربیت یافتہ فوج اور کثیر مقدار میں اسلحہ بھی موجود تھا لیکن اس کے باوجود انہون نے جو شکست کھائی تو اسکی وجہ انکی کمزوری نہ تھی بلکہ نواب آف حیدرآباد میر نظم علی خان اور میر صادق و میر معین الدین جیسے غدار تھے۔

جنگ پلاسی: معرکہ میسور ۱۸۹۹ء سے تقریباً ۶۲ سال قبل ۱۸۵۷ء میں پلاسی کا محاز گرم ہوا جسمیں فرنگی سامراج کے ہاتھوں نواب سراج الدولہؒ شکست کھا کر شہید ہو گئے۔ اور کون نہیں جانتا کہ نواب علی وردی خانؒ اور ان کے نواسے نواب سراج الدولہ شہیدؒ نے ایک طویل عرصہ تک بنگال میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی عسکری قوت کو روکے رکھا جس کا انجام جنگ پلاسی پر ہو۔ اور اس جنگ میں بھی شکست کا سبب نواب سراج الدولہؒ کی فوجی کمزوری نہیں بلکہ میر جعفر و میر قاسم جیسے غداروں کا وہ منافقانہ و شرمناک کردار تھا۔ جس کا تذکرہ شاعر مشرق مفکر پاکستان ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ نے اس شعر میں کیا ہے کہ۔

جعفر از بنگال وصادق از دکن

ننگ ملت، ننگ دین، ننگ وطن

غرضیکہ فرنگی سامراج کے خلاف جو معرکے لڑے گئے ان میں شکست مجاہدین کی کمزوری کی وجہ سے نہیں بلکہ منافقین کی غداری کے سبب ہوئی۔ یہ وجہ ہے کہ ہمارے اکابر کو اپنے جہادی طرز جدوجہد پر نہ کبھی ندامت ہوئی اور نہ کبھی ان کو اس پر معذرت خواہانہ طرز اختیار کرنا پڑا بلکہ انہوں نے ہمیشہ اپنے اسلاف و اکابرین کی اس جدوجہد کو باعث فخر ہی جانا اور اگر آپ ناراضگی محسوس نہ فرمائیں تو ماضی قریب کے میدانوں میں مجاہدین کی شکست کا باعث اتنا وہ غدار و منافقین نہ تھے جتنا وہ بزدل علماء تھے جنہوں نے مجاہدین کی حوصلہ شکنی کرنیکی کوشش کی کبھی انہیں حالات کی نزاکت سے ڈرایا اور کبھی دشمن کی طاقت سے کبھی انہیں قوت کی کمزوری کے طعنے دیئے اور کبھی استعداد کی کمی کے۔ حتیٰ کہ ان بزدل و بے غیرت علماء نے انہیں فسادی تک قرار دینے سے گریز نہ کیا۔ خود بزدلی کی وجہ سے میدان جنگ میں جانے کا حوصلہ نہ تھا لیکن اپنی بزدلی کو چھپانے کیلئے مجاہدین کی کاوشوں کو نشانہ بناڈالا۔

قیامِ دارالعلوم دیوبند: باقی رہی یہ بات کہ شکست کے بعد ان علماء کو مفرور ہونا پڑا تو میں نہیں سمجھتا کہ آپ ان پر پھبتی کس رہے ہیں یا خود کم علمی کا شکار؟ کیونکہ آپ جیسے ذہین فطین اور صاحب مطالعہ شخص کے اس حقیقت سے بے خبر و ناآشنا ہونے پر یقین نہیں آتا کہ بسا اوقات بدلتے جنگی و سیاسی حالات کی بناء پر راہ فرار اختیار کرنا بھی جنگی حکمتِ عملی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس کیلئے اگر آپ عہد نبوی ﷺ، عہد صحابہؓ اور اس کے بعد کی تاریخ اسلامی کی جنگوں کا گہری نظر سے مطالعہ فرما لیتے تو یقیناً آپ کو یہ پھبتی کسنے کی ضرورت پیش نہ آتی اور جہاں تک ۱۸۵۷ء کے اکابر علماء کے فرار ہونے، روپوش رہنے یا عدم تشدد کا راستہ اختیار کرنے کا تعلق ہے تو اس سے بھی جنگی حکمت عملی

تبدیل کرنا مقصود تھا۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے تقریباً ۹ سال بعد ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء جب حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی تو اس موقع پر فرمایا کہ

''یہ مدرسہ آزادی کی چھاؤنی ہے۔ جس پر تعلیم کا پردہ ڈال دیا گیا ہے اس چھاؤنی کے تیار کردہ مجاہدین کی جدوجہد سے انشاء اللہ العزیز یہ ملک ہندوستان آئندہ ۵۷ سے قبل غیر ملکی غلامی سے آزاد ہوگا''

حضرت نانوتویؒ کے اس فرمان سے صاف ظاہر ہے کہ انہوں نے صرف طرز جدوجہد تبدیل کیا ورنہ مدرسہ کا قیام جہادی جدوجہد سے علیحدگی کیلئے ہرگز نہ تھا۔ بلکہ اس سے صرف جہادی حکمت عملی تبدیل کرنی مقصود تھی۔ اور اس کے بعد کے واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ حضرت نانوتویؒ کی پیشن گوئی کے عین مطابق دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتہ وتربیت یافتہ مجاہدین علماء کی جدوجہد اور انکی سیاسی خدمات کی بناء پر فرنگی سامراج ہندوستان سے اپنے دوسوسالہ اقتدار سے دستبردار ہوکر یہاں سے واپس جانے پر مجبور ہوا۔

یہاں میں انتہائی معذرت کے ساتھ یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ سنت نبوی ﷺ کی روشنی میں امت مسلمہ پر دو قسم کی بڑی ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں۔۔۔ پہلی اشاعت دین کی۔۔۔ دوسری حفاظت دین کی۔۔۔ جبکہ تیسری بڑی ذمہ داری غلبہء دین کو میں اس مقام پر قصداً نظر انداز کر رہا ہوں قرآن وسنت سے حقیقی واقفیت وآشنائی رکھنے والا ہر صاحب علم جانتا ہے کہ اشاعت دین کے لئے دعوت وتبلیغ کا فریضہ امت کے سپرد کیا گیا ہے۔ اور حفاظت دین کیلئے جہاد وقتال کا۔۔۔ قرآنی ونبوی ﷺ تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے کہ۔۔۔ دعوت وتبلیغ کے ذریعے من جانب اللہ ہدایت ملتی ہے۔ اور جہاد وقتال کے ذریعہ من جانب اللہ نصرت حاصل ہوتی ہے۔ آپ اگر امت مسلمہ کی ان ذمہ داریوں کے حوالہ سے اسلامی واقعات پر توجہ فرمائیں گے تو یہ حقیقت آپ پر پوری طرح منکشف ہوجائیگی۔ اسی لئے دیگر اسلاف دیوبند کی طرح حضرت شیخ مدظلہ کی بھی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ اپنے پسند یدہ دینی شعبوں میں کام کرنے والے تمام دینی طبقات دوسروں کی نفی کئے بغیر اپنی اپنی جدوجہد جاری رکھیں تو بہت جلد اس کے اچھے نتائج سامنے آسکتے ہیں اسلام کی اشاعت وحفاظت کے حوالہ سے درج ذیل چند واقعات ملاحظہ فرمائیے۔

مکی و مدنی دور آنحضرت ﷺ نے تیرہ سال تک مکہ مکرمہ کے اندر دعوت وتبلیغ کا فریضہ سرانجام دیتے سوئے دین کی اشاعت کی۔۔۔ اور پھر ہجرت کے بعد دس سالہ مدنی دور میں مدینہ منورہ کے اندر جہاد کے ذریعہ دین کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دیا۔ اب اگر کوئی فرد یا کوئی طبقہ اپنی پوری زندگی کو ایک ہی فریضہ کی ادائیگی میں صرف کر دے تو یقیناً کامل اتباع سنت کا نام اسے نہیں دیا جاسکتا۔ اور اگر تقسیم کار کے حوالہ سے دعوتی، تعلیمی اور جہادی ذمہ داریوں کو باہم تقسیم کرلیا جائے اور ایک دوسرے کی معاونت یا اعترافِ خدمات کا ذہن دیا جائے تو یہ مشترکہ جدوجہد کامل اتباع سنت قرار دی جاسکتی ہے۔

ہندوستان میں اسلام کی آمد: ہندوستان کے اندر مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ تو عہد خلافت راشدہؓ میں شروع ہو چکا تھا۔ لیکن اسلام کی باقاعدہ آمد جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ اس قوت سے ہوئی جب اسلام کے عظیم جرنیل محمد بن قاسمؒ پہلی صدی ہجری کے آخری عشرہ میں سندھ کے راجہ داہر کو شکست دیکر ملتان تک پہنچے وہ تو جہاد کے ذریعہ ان مفتوحہ اور مقبوضہ علاقوں میں اسلامی اخلاق وکردار اور دینی تعلیمات کا

sangeenfitna.blogspot.com

ایک انمول نمونہ چھوڑ کر بعض سیاسی مجبوریوں کی بنا پر واپس تشریف لے گئے لیکن اسلام قبول کرنے والے مسلمان بعد میں ہندو راجوں مہاراجوں کے ظلم و بربریت کی چکی میں پسنے لگے۔

علی ہجویریؒ و محمود غزنویؒ: پانچویں صدی ہجری میں اشاعت اسلام کا برصغیر میں دوسرا دور شروع ہوا۔ تو بدر العلماء حضرت شیخ محمد اسماعیل لاہوریؒ اور سرتاج الاولیاء حضرت علی ہجویریؒ جیسے بزرگ ہندوستان میں تشریف لائے اور اشاعت اسلام کا فریضہ سرانجام دیا۔ جبکہ مسلمانانِ برصغیر کے دین و ایمان کی حفاظت کے لئے سلطان محمود غزنویؒ ہندوستان پہنچے اور ہندو راجوں مہاراجوں کو شکست دیکر ہندوستان کے اندر اسلام کی شوکت و حکومت قائم کی۔

خواجہ اجمیریؒ و سلطان غوریؒ: اس کے بعد چھٹی صدی ہجری میں امام الاتقیاء حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ اشاعتِ اسلام کے لئے دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دینے کی خاطر ہندوستان تشریف لائے۔ اور ان کی دعوت پر لاکھوں ہندو مسلمان ہوئے لیکن جب اسلام اور مسلمانوں کی یہ بڑھتی ہوئی ترقی دیکھ کر اجمیر کے راجہ پرتھوی راج نے حضرت خواجہ اجمیریؒ اور ان کے مسلمان مریدین پر زمین تنگ کرنی شروع کر دی اور دعوت و تبلیغ کے راستے مسدود کر دیئے تو حضرت خواجہ اجمیریؒ نے حفاظت دین کے لئے افغانستان سے سلطان شہاب الدین محمد غوریؒ کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ چنانچہ ان کی دعوت پر سلطان غوریؒ نے ہندوستان پر متعدد حملے کئے اور بالآخر راجہ پرتھوی راج کو شکست دیکر اسے گرفتار کیا اور قتل کیا۔ اس طرح انہوں نے حفاظت دین کا فریضہ سرانجام دیا۔

شاہ ولی اللہؒ اور احمد شاہ ابدالیؒ: سلطان اورنگزیب عالم گیرؒ کے بعد جب مغل شہزادے حصول اقتدار کی جنگ میں مصروف ہو گئے اور آمنے سامنے آ گئے تو مرہٹوں نے اپنی فوجی قوت جمع کرنی شروع کر دی اس طرح اقتدار دہلی پر سے مسلمانوں کی گرفت ختم ہوتی محسوس ہونے لگی۔ یہ صورت حال امام الہند حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کیلئے بڑی پریشان کن تھی چنانچہ انہوں نے افغانستان کے شیر دل سردار احمد شاہ ابدالیؒ کو ہندوستان کے مسلم اقتدار کو بچانے اور مرہٹوں کی بڑھتی ہوئی قوت کا راستہ روکنے کیلئے ہندوستان آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی دعوت پر وہ ہندوستان تشریف لائے اور پانی پت کے تیسرے معرکہ میں مرہٹوں کو عبرتناک تاریخی شکست دیکر حفاظت اسلام کا فریضہ سرانجام دیا۔

غرضیکہ یہ ایک مسلمہ اسلامی و تاریخی حقیقت ہے کہ جس طرح اشاعتِ دین کیلئے دعوت و تبلیغ ہر دور کی ضرورت رہی ہے۔ اسی طرح حفاظت دین کیلئے جہاد و قتال بھی ہر زمانہ کا تقاضا رہا ہے۔ اور ہر دور کے داعیان اسلام نے نہ صرف اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے بلکہ عملاً اس کیلئے کوشش بھی کی ہے۔ اسلام کی چودہ سو سالا تاریخ کے اندر کسی مرحلہ میں بھی اشاعت اسلام کا فریضہ سرانجام دینے والے داعیان اسلام نے حفاظت اسلام کا فریضہ سرانجام دینے والے مجاہدین اسلام کی اہمیت و ضرورت اور انکی جہادی خدمات سے صرف نظر نہیں کیا۔ شاید اسی وجہ سے کچھ لوگوں کے ذہن اس تشویش و خطرات میں مبتلا ہیں کہ اس وقت تبلیغی جماعت کے اندر اسلام دشمن قوتوں کے کچھ ایجنٹ اپنے مذموم مقاصد حاصل کرنے کیلئے انتہائی غیر محسوس طریقہ سے گھسنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ جو ایک طرف جماعت کو اس کے اہداف و مقاصد سے دور کر دینا چاہتے ہیں۔ اور دوسری طرف جماعت کی آڑ میں جہاد و قتال جیسے اہم فریضہ کے خلاف مسلمانوں کے دلوں میں

نفرت پیدا کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ حالانکہ قرآنِ حکیم کے احکامات وفرامین پر اگر غور کیا جائے تو وہ جہاد وقتال کو ہی حفاظت دین کا سب سے بڑا ذریعہ قرار دیتا ہے چنانچہ فرمان الٰہی ہے کہ

۔"ولولا دفع اللّٰہ الناس بعض لھدمت صوامع وبیع وصلوٰت ومسجد یذکر فیھا اسم اللّٰہ کثیرا ولینصرن اللّٰہ من ینصرہ ان اللّٰہ لقوی عزیز" (پارہ ۱۷۔الحج۔۴۰)

اور اگر ہٹا دیا نہ کرتا اللہ لوگوں کو ایک کو دوسرے سے تو ڈھائے جاتے تکئے اور مدرسے اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں نام پڑھا جاتا ہے اللہ کا بہت اور اللہ مقرر مدد کرے گا اسکی جو مدد کرے گا اسکی بیشک اللہ زبردست ہے، زوروالا۔۔۔۔(ترجمہ شیخ الہندؒ)

اسی آیت کریمہ کے حاشیہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ "یعنی اگر کسی وقت اور کسی حالت میں بھی ایک جماعت کو دوسری جماعت سے لڑنے بھڑنے کی اجازت نہ ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کے قانونِ فطرت کی سخت خلاف ورزی ہوگی۔ اس نے دنیا کا نظام ہی ایسا رکھا ہے کہ ہر چیز یا ہر شخص یا ہر جماعت دوسری چیز یا شخص یا جماعت کے مقابلہ میں اپنی ہستی برقرار رکھنے کیلئے جنگ کرتی رہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا اور نیکی کو اللہ تعالیٰ اپنی حمایت میں لیکر بدی کے مقابلہ میں کھڑا نہ کرتا تو نیکی کا نشان زمین پر باقی نہ رہتا۔ بد دین اور شریر لوگ جن کی ہر زمانہ میں کثرت رہی ہے تمام مقدس مقامات اور یادگاریں ہمیشہ کیلئے صفحہ ہستی سے مٹا دیتے۔ کوئی عبادت گاہ تکیہ، خانقاہ مسجد، مدرسہ، محفوظ نہ رہ سکتا، بنائیں علیہ ضروری ہوا کہ بدی کی طاقتیں خواہ کتنی ہی مجتمع ہو جائیں قدرت کی طرف سے ایک وقت آئے جب نیکی کے مقدس ہاتھوں سے بدی کے حملوں کی مدافعت کرائی جائے اور حق تعالیٰ اپنے دین کی مدد کرنے والوں کی خود مدد فرما کر ان کو دشمنانِ حق وصداقت پر غالب کرے بلاشبہہ وہ ایسا قوی اور زبردست ہے کہ اس کی اعانت وامداد کے بعد ضعیف سے ضعیف چیز بڑی بڑی طاقت ور ہستیوں کو شکست دے سکتی ہے۔ بہر حال اس وقت مسلمانوں کو ظالم کافروں کے مقابلہ میں جہاد وقتال کی اجازت دینا اسی قانونِ قدرت کے ماتحت تھا۔ اور یہ عام قانون ہے جس کا انکار کوئی عقلمند نہیں کر سکتا۔ اگر مدافعت وحفاظت کا یہ قانون نہ ہوتا تو اپنے اپنے زمانہ میں عیسائی راہبوں کے صومعے (کوٹھڑے) قائم رہتے نہ نصاریٰ کے گرجے، نہ یہود کے عبادت خانے اور نہ مسلمانوں کی وہ مسجدیں جن میں اللہ کا ذکر بڑی کثرت سے ہوتا ہے۔ یہ سب عبادت گاہیں گرا کر اور ڈھا کر برابر کر دی جاتیں۔ پس اس عام قانون کے ماتحت کوئی وجہ نہیں کہ مسلمانوں کو ایک وقتِ مناسب پر اپنے دشمنوں سے لڑنے کی اجازت نہ دی جائے۔ (تفسیر عثمانی ص ۴۳۶)

علامہ عثمانیؒ کے اس طویل حاشیہ کے اندر دو چیزیں بہت حد تک واضح ہیں۔۔۔۔پہلی یہ کہ اگر جہاد وقتال کا فریضہ امت کے سپرد نہ ہوتا تو یہ قدرت کے قانونِ فطرت کے خلاف ہوتا۔ پھر نہ مدارس محفوظ رہتے اور نہ خانقاہیں، نہ عبادت خانے محفوظ رہتے اور نہ مساجد، گویا حفاظتِ دین اور مقاماتِ مقدسہ کا دفاع جہاد وقتال ہی کے ذریعہ ممکن ہے۔۔۔دوسری یہ کہ جب دینِ اسلام اور مقاماتِ مقدسہ کی حفاظت کا وقت آجائے تو پھر مسلمان طاقت واستعداد کا انتظار نہ کرے بلکہ اللہ کی قدرت اور اس کے بھروسہ پر میدانِ عمل میں اتر آئے۔ خدا تعالیٰ اس کی مدد کریں گے۔

اور حقیقت یہی ہے کہ اگر آج ان مٹھی بھر مجاہدین نے دشمنانِ اسلام کی متحدہ قوت کا راستہ نہ روک رکھا ہوتا تو نہ ہماری مساجد محفوظ

ہوتیں نہ نمازیں۔۔۔نہ ہماری تعلیم محفوظ ہوتی اور نہ بچی کچھی تہذیب۔۔۔۔نہ تعلیمی درسگاہیں محفوظ ہوتیں، اور نہ دعوتی مراکز۔۔۔نہ تبلیغ محفوظ ہوتی اور نہ دعوت۔۔۔آج اگر ہمارا یہ سب کچھ کسی حد تک محفوظ ہے تو انہی مجاہدین کی قربانیوں کے صدقہ۔۔لہٰذا میں نہیں سمجھتا کہ قرآنی ونبوی ﷺ علوم اور صحابہ کرامؓ کی تاریخ سے واقفیت وآگاہی رکھنے والا کوئی بھی ذی علم وہوشمند شخص کسی بھی ایسے دور کے اندر، جسمیں اشاعت دین کیلئے دعوت وتبلیغ کی ضرورت محسوس کرتا ہو، اسمیں حفاظتِ دین کیلئے جہاد وقتال کی اہمیت وضرورت سے انکار کر سکے۔

چوتھا الزام: ''صلح حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کمزور تھے اس لئے ان کو پسپائی اختیار کرنا پڑی''

اگر یہ الزام درست ہے تو؟

میں انتہائی ادب ومعذرت کے ساتھ یہ سوال کرنا چاہوں گا کہ اس مقام پر کمزوری سے آپکی مراد کیا ہے؟

(۱) اگر اس مقام پر کمزوری سے افرادی کمی مراد ہے تو یقیناً غلط ہے۔ کیونکہ حدیبیہ کے شرکاء (۱۴ یا ۱۵ سو) کی تعداد کسی صورت بھی بدر (۳۱۳) اور احد (۷۰۰) کی نفری سے کم نہ تھی۔ گویا وہ افرادی نفری کی وجہ سے کمزور نہ تھے۔

(۲) اگر اس کمزوری سے سامان حرب وضرب کی کمی مراد ہے تو بھی ناقابل تسلیم ہے کیونکہ مسلمانوں کے پاس اس وقت جنگی ہتھیار یقیناً بدر واحد سے زیادہ تھے۔ اگر افرادی نفری یا جنگی ہتھیاروں کی کمی کے حوالہ سے کمزوری موجود ہوتی تو آنحضرت ﷺ ان صحابہؓ سے موت کی بیعت نہ لیتے۔ کیونکہ یہ بیعت ہی جہاد وقتال کے لئے تھی۔

(۳) نرسری اور پرائمری سطح کے عام تبلیغی حضرات (جنکی ذہنی تربیت خدا معلوم کہاں ہوئی ہے؟) سے جب یہ سننے کو ملتا ہے کہ اس وقت چونکہ امت کمزور ہے لہٰذا اس پر حکم جہاد لاگو نہیں ہوتا۔ اور اس سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا۔۔ارادی اعتبار سے امت کمزور ہے؟ جبکہ مسلمانوں کی تعداد اس وقت ایک ارب چالیس کروڑ سے متجاوز ہے، تو جواب ملتا ہے نہیں۔۔۔۔ پوچھا جاتا ہے کہ کیا وہ جنگی اسلحہ کی وجہ سے کمزور ہے؟ حالانکہ ایٹمی ہتھیاروں سمیت ہر قسم کا جدید ترین اسلحہ ان کے پاس موجود ہے۔ تو جواب ملتا ہے نہیں۔۔۔۔ پوچھا جاتا ہے مالی وسائل کی وجہ سے کمزور ہے، حالانکہ معدنیات کے سب سے قیمتی ذخائر مسلمانوں کے پاس ہیں تو جواب ملتا ہے نہیں۔۔۔۔۔ان کا کہنا یہ ہے کہ اس وقت امت ایمان کی وجہ سے کمزور ہے۔ ظاہر ہے کہ کمزوری کا یہ مفہوم بھی اصحاب حدیبیہؓ پر لاگو نہیں کیا جا سکتا۔ کہ العیاذ باللہ تعالیٰ ان کے ایمان کمزور تھے۔ یہ تو تصور بھی کفر ہے۔

سوال یہ ہے کہ اصحاب حدیبیہؓ میں وہ کونسی کمزوری تھی جسکی وجہ سے انہیں پسپائی اختیار کرنا پڑی؟ اگر حکمت ومصلحت کو آپ کمزوری کا نام دیتے ہیں تو ایک الگ بات ہے۔۔۔اور بالغرض حدیبیہ کی پسپائی کو کمزوری تسلیم کر لیا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اُحد اور حُنین کی شکست بھی کسی کمزوری کا نتیجہ تھی؟ اگر کمزوری تھی تو میدان جنگ میں لایا ہی کیوں گیا؟

پانچواں الزام: ''گذشتہ دو صدیوں سے اکابرین ہند کا طرز غلط رہا۔ جبکہ مولانا الیاسؒ کا طرز منجانب اللہ الہامی تھا''

اگر یہ الزام درست ہے تو؟

ہماری گذارش یہ ہے کہ آپ کو اکابر علماء کی خدمات کا موازنہ کرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ کیا دوسروں کی خدمات سے

انحراف کئے بغیر حضرات امام التبلیغ کی خدمات کا تذکرہ ممکن نہ تھا؟ دیوبندی حلقہ کا وہ کون بدبخت ہے جس نے امام التبلیغ کی خدمات سے انکار کیا ہو۔ جس کے بدلہ میں آپ کو یہ طرز اختیار کرنا پڑا؟ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ یہ طرز تبلیغی دارئرہ تعلیم میں سے کونسا نمبر ہے؟ کیا اپنے اپنے میدان وشعبہ میں اکاب کی خدمات کے اعتاف میں آپ کوئی ہتک محسوس کرتے ہیں؟

چھٹا الزام: ''یزید کے ہاتھ پر ۷۰ صحابہؓ نے بیعت کی کیونکہ وہ کمزور تھے۔ اور کمزور کے احکام جدا ہوتے ہیں''

اگر یہ الزام درست ہے تو؟

انتہائی حیرت انگیز رویہ ہے خدا معلوم آپ کیوں صحابہ کرامؓ کو کمزور ثابت کرنے پر تلے بیٹھے ہیں؟ کیا صحابہ کرامؓ کی حکمت و اجتہاد کو کمزوری کا نام دینا ضروری ہے؟ جب یزید کا کفر ثابت نہیں اور فسق مسلّم ہے تو فاسق کی بیعت پر اجتہادی اختلاف ہو گیا بعض صحابہؓ انکاری تھے۔ اور بعض فتنہ اور فساد سے بچنے کیلئے اس کو روا رکھتے تھے معلوم نہیں اسمیں کمزوری کا کونسا پہلو نکلتا ہے؟ میں اس وقت اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا کہ کتنے صحابہؓ نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کی اور واقعہ کربلا کے بعد کتنے صحابہؓ نے یہ بیعت توڑی جس کی وجہ سے واقعات حرّہ پیش آئے۔ میں اس وقت آپ کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کرانی چاہتا ہوں کہ آپ کے نزدیک یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے صحابہؓ کمزور تھے۔ کیا آپ کے اس مئوقف سے اہل تشیع کے عقیدہ تقیہ کی تائید تو نہیں ہو رہی؟ کیونکہ وہ بھی کمزوری کے وقت کا حکم جدا مانتے ہیں۔ اور اس وقت تقیہ کر لینے کے قائل ہیں۔

ساتواں الزام: ''تمام صحابہ کرامؓ کی تکفیر کر دینے سے بھی آدمی کافر نہیں ہوتا۔''

اگر یہ الزام درست ہے تو؟

جمہور ائمہ اہل سنت کی اجماعی تحقیق کے خلاف ہے حضرت مجدد الف ثانیؒ اور دیگر ائمہ اہل سنت نے تکفیرِ روافض کے اسباب میں ایک سبب ''سبّ صحابہؓ'' بھی لکھا ہے۔ جب ائمہ اہل سنت کے نزدیک سبّ صحابہؓ بھی کفر ہے تو تکفیرِ صحابہؓ کیونکر کفر نہ ہوگا؟ اور پھر ہمارے آئمہ کے نزدیک تو سیدنا امام ابوبکر صدیقؓ کی صحابیت کا انکار بھی کفر ہے۔ کیونکہ وہ قرآن کی نصِ قطعی سے ثابت ہے، چہ جائیکہ ان کی تکفیر کفر نہ قرار پائے۔ بعض ذرائع سے شنید ہے کہ آپ اپنے اسی مئوقف سے فخر اہل سنت حضرت مولانا علامہ علی شیر حیدری شہیدؒ کے سامنے رجوع کر چکے ہیں۔ اگر واقعی ایسا ہے تو ہم اسے آپکی عالی ظرفی تسلیم کرتے ہیں۔ اُمید ہے کہ آپ دیگر مسائل میں بھی رجوع کر کے اعلی ظرفی کا ثبوت دیں گے۔

آٹھواں الزام: ''صحابہ کرامؓ کو نہ ہم معصوم مانتے ہیں اور نہ محفوظ، کیونکہ دونوں کا ایک ہی معنیٰ ہے صحابہ کرامؓ کو محفوظ ماننا شیعوں کے رد میں حد سے تجاوز کرنا ہے''

اگر یہ الزام درست ہے تو؟

یہ گزشتہ مئوقف ہی کا حصہ ہے۔ اور اہل سنت کے اجتماعی عقیدہ کے خلاف ہے۔ میں اس مسئلہ کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا صرف

یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ۔۔۔ معصوم اور محفوظ ۔۔ دونوں شرعی اصطلاحات ہیں۔ اور متواتر و متوارث طرق سے ثابت ہیں۔ شرعی اصطاحات کے حدود اور معانی متعین کرنا صرف علماءِ اصول کا حق ہے۔ جب علماء اصول ان دونوں اصطاحات کے حدود و معانی متعین کر کے ان کے درمیان فرق بیان کر چکے ہیں۔ اور اسی فرق کے حوالہ سے انبیاء کرامؑ کو معصوم اور صحابہ کرامؓ کو بالا جماع محفوظ قرار دے چکے ہیں۔ تو کسی خود ساختہ و اختراعی معنیٰ و مفہوم کی بناء پر ایک متواتر و متوارث شرعی اصطاح کا انکار کرنا اور اسے مذہبی تعصب کے نتیجہ میں حدود شرعیہ سے تجاوز قرار دینا کسی صورت صراط مستقیم قرار نہیں دیا جا سکتا۔

نواں الزام: ''حضرت علیؓ حق پر تھے۔ حضرت معاویہؓ خطاء پر، اجتہادی کے لاحقے سابقے ملانے کی ضرورت نہیں۔ صحابہ کرامؓ کی خطار میں اجتہادی کا لفظ تاویل کا راستہ اختیار کرنا ہے۔ کمزور راستہ ہے۔ تاویل نہ کرو مانو کہ ان سے خطاء ہوئی ہے۔''

اگر یہ الزام درست ہے تو؟

بڑے ادب سے عرض کروں گا کہ آپ کا یہ مئوقف شعوری یا غیر شعوری طور پر سید ابوالاعلیٰ مودودی کے مئوقف سے کلی مطابقت رکھتا ہے۔ مشاجرات صحابہؓ کے باب میں

(۱) جمہور ائمہ اہل سنت حضرات امام علیؓ کو حق پر اور حضرا میر معاویہؓ کو خطاء اجتہادی پر مانتے ہیں۔

(۲) بعض اکابر کے نزدیک دونوں حق پر ہیں۔ البتہ حضرت علیؓ اقرب الی الحق ہیں۔ یہ دونوں مئوقف دراصل علماء اصول کے اس اختلاف پر مبنی ہیں جسمیں بعض کے نزدیک ''االمجتھد یخطئی و یصیب'' کا اصول بنیاد ہے اور بعض کے نزدیک ''کل مجتھد مصیب'' کا

(۳) سید لعل شاہ بخاری اپنی کتاب استخلاف میں حضرت علیؓ کو حق پر اور حضرت معاویہؓ کو خطاء عنادی پر قرار دیتے ہیں۔

(۴) سید ابوالاعلی مودودی حضرت علیؓ کو حق پر اور حضرت معاویہؓ کو خطاء محض پر قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ میں حضرت معاویہؓ کی غلطی کو محض غلطی سمجھتا ہوں۔ اسے اجتہادی غلطی ماننے میں مجھے سخت تامل ہے۔ (خلافت وملوکیت ص ۳۴۳)

یہ محض غلطی تھی۔ اس کو اجتہادی غلطی قرار دینے کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی۔ (ایضاً ص ۳۴۴)

محترم! اپنے اور مودودی صاحب کے مئوقف میں کسی جگہ کوئی فرق محسوس ہوتا ہو تو ازراہ کرم نشاندہی فرما دیجئے۔ آپکو بھی اجتہادی کا لفظ اس مقام پر تاویل اور کمزور راستہ نظر آتا ہے۔ اور مودودی صاحب کو بھی اسمیں سخت تامل ہے جسکی انہیں کوئی گنجائش نظر نہیں آتی۔ اس مشترکہ مئوقف کی بناء پر آپکے مودودی ہونے کا جو تاثر ابھر رہا ہے۔ اسے آخر کیسے غلط قرار دیا جا سکے گا؟

دسواں الزام: ''صحابہ کرامؓ کا دنیا کا طلب گار ہونا قرآن سے ثابت ہے۔''

اگر یہ الزام درست ہے تو؟

آیات غزوہء احد کے ضمن میں جس جملہ سے آپ استدلال فرما رہے ہیں اسمیں چند صحابہؓ کے اپنی ڈیوٹی (پہاڑی درہ پر پہرہ) چھوڑ کر مال غنیمت جمع کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ اور غنیمت وہ مال ہے جسے فرمان نبوی ﷺ میں کائنات کا سب سے پاکیزہ مال قرار

دیا گیا ہے۔ ان صحابہؓ نے حکم نبوی ﷺ کا انتظار کئے بغیر میدان جنگ سے کفار کی پسپائی دیکھ کر اپنی ڈیوٹی چھوڑ دی جو ان کی خطاء اجتہادی تھی۔ ان کی اسی خطاءِ اجتہادی کو جمع غنیمت کی کاوش کے مقابلہ میں طلب دنیا قرار دیا گیا ہے۔ یعنی ان کی طلب غنیمت یا جمع غنیمت میں قباحت نہ تھی۔ صرف انکی ڈیوٹی کے مقابلہ میں یہ عمل کمزور قرار دیا گیا ہے۔ اس کو مطلق طلبِ دنیا قرار دینا ہرگز اسلامی تصور نہ ہوگا۔ اُمید ہے اس پہلو کی طرف آپ ضرور توجہ دیں گے۔

گیارہواں الزام: ''حضرت سعدؓ بن عبادہ نے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پر بیعت نہیں کی''

اگر یہ الزام درست ہے تو؟

ہمارے خیال میں بے وزن ہے۔ حضرت سعد بن عبادہؓ کے بارہ میں دونوں قسم کی روایات موجود ہیں۔ اگر بعض مئورخین نے ان کے بیعت نہ کرنے کا تذکرہ کیا ہے۔ تو حضرت امام ابن جریر طبریؒ نے اپنی تاریخ الامم والملوک جلد دوم صفحہ ۴۵۸ مترجم میں ان کے بیعت کر لینے کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ گویا ان کے بیعت کرنے یا نہ کرنے کا مسئلہ ہی اختلافی ہے۔

بارھواں الزام: ''حضرت علی المرتضیٰؓ نے حضرت فاطمہؓ کے انتقال کے بعد بیعت کی''

اگر یہ الزام درست ہے تو؟

سراسر بے بنیاد ہے۔ کیونکہ حضرت امام علی المرتضیٰؓ کی جس چھ ماہ بعد بیعت کرنے کی روایت سے آپ استدلال کر رہے ہیں۔ جمہور ائمہ اہل سنت کے نزدیک اسمیں تجدیدِ بیعت مراد ہے۔ بیعت تو وہ ابتداء میں ہی کر چکے تھے۔ لیکن اگر بالغرض آپ کے مذکورہ مئوقف کو درست تسلیم کر لیا جائے تو حضرت علیؓ کے بارہ میں دو تصور سامنے آتے ہیں۔

پہلا یہ کہ وہ خلافتِ صدیقیؓ کو قبول کرتے تھے۔ لیکن حضرت سیدۃ فاطمہؓ الزہراؓ کے خوف یا ان کی طبیعت خاطر کی وجہ سے اس کا اظہار نہ کر سکے۔ ان کی وفات کے بعد بیعت کر لی۔ اس صورت میں الزام حضرت فاطمہؓ پر آتا ہے کہ وہ خلافتِ صدیقیؓ کو برحق نہ مانتی تھیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

دوسرا یہ کہ حضرت علیؓ خود ہی خلافتِ صدیقیؓ کو قبول نہ کرتے تھے۔ سیدہ فاطمہؓ کی حیات مبارکہ تک ان کو اطمینان تھا کہ مجھے کوئی خطرہ نہیں ان کی وفات کے بعد حضرت علیؓ نے خوف وتقیہ کی بناء پر بیعت کر لی۔ یہ روافض کا نقطہ نظر ہے۔ اب اس بات کی وضاحت تو آپ ہی کر سکتے ہیں کہ چھ ماہ بعد بیعت کے نظریہ کے پیچھے کونسا تصور کارفرما ہے، پہلا یا دوسرا؟

تیرہواں الزام: ''امام حسنؓ نے فرمایا کہ نبوت اور خلافت دونوں ایک خاندان میں جمع نہیں ہو سکتیں''

اگر یہ الزام درست ہے تو؟

اس روایت اور اسکی صحت کا ثبوت چاہئے۔ کیونکہ یہ قرآنی وتاریخی روایات کے قطعاً منافی ہے۔ مثلاً۔۔۔ حضرت یوسفؑ کے پاس نبوت بھی تھی، خلافت بھی۔۔۔ حضرت داؤدؑ کے پاس نبوت بھی تھی خلافت بھی۔۔۔ حضرت سلیمانؑ کے پاس نبوت بھی تھی اور خلافت

بھی۔۔۔حضرت عیسیٰؑ کے پاس نزول کے بعد نبوت بھی ہوگی خلافت بھی آنحضرت ﷺ کے خاندانِ قریش کے پاس نبوت بھی تھی اور خلافتِ راشدہ کے بعد بھی صدیوں تک خلافت بھی رہی۔

چودھواں الزام: ''مودودی صاحب مرحوم نیک آدمی تھے۔اچھے عالم تھے ان کی بڑی خدمات ہیں ان سے چند مقامات پر فاش غلطیاں ہوئیں (معترضہ: ہم نے خط کا اصل مندرجہ نقل کر دیا ورنہ مولوی طارق جمیل نے یہ کہا ہے کہ اُن سے بعض مقامات پر'' لغزش'' ہوئی ہے۔ حضرت تھانوی کی تحریریں اتنی پیچدہ تھیں کہ وہ لوگوں کی سمجھ میں نہیں آسکتی تھی حتیٰ کہ مدرسے کے طلبہ بھی اُسکو نہیں سمجھ سکتے پہلے شخص ہیں مودودی صاحب جنہوں نے دین کو آسان فہم انداز میں سمجھایا اور لوگ اُسکو سمجھے۔پھر مکرر سہ کرر کہا۔۔اُنکی بڑی خدمات ہیں۔۔۔اُنکی بڑی خدمات ہیں الخ۔ ناشر)۔ان کی حسنات ان کی سیئات سے زیادہ ہیں۔''

اگر یہ الزام درست ہے تو؟

ہمیں اس بات پر شدید حیرت ہے کہ اپنے طلبہ کی درسی کلاس میں اس شخص کی تعریف کے مقاصد کیا تھے؟ جسے تمام اکابرین دیوبند ضال اور مضل قرار دے چکے ہیں۔ہمیں آپ کے اس مئوقف سے اتفاق نہیں کہ مودودی صاحب سے صرف چند مقامات پر فاش غلطیاں ہوئی ہیں۔کیونکہ ان کے لٹریچر سے ان کی بیسیوں گمراہ کن عبارات پر گرفت کی گئی ہے۔اگر بالغرض آپ کی بات ہی درست مان لی جائے کہ فاش غلطیاں چند ہی ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کس قدر سنگین ہیں کیونکہ پیشاب کا ایک قطرہ دودھ کی پوری بالٹی کو برباد کر دینے کیلئے کافی ہوتا ہے۔آپکی نظر عقیدت صرف مودودی صاحب کی حسنات پر ہے۔کبھی ان کے گمراہ کن نظریات کو بھی ایک نظر دیکھنے کی زحمت گوارا کر لیجئے۔۔۔ہمارا آپ سے فی الوقت سوال یہ ہے کہ گر مودودی صاحب کی یہ تعریف آپ نے منصورہ یا کسی مشترکہ تبلیغی اجتماع میں کی ہوتی تو اسے آپکی تبلیغی مجبوری یا دعوتی ضرورت قرار دیکر نظر انداز کیا جاسکتا تھا۔لیکن اپنے مستقل حلقہ درس کے اندر آدمی وہی کچھ بیان کرتا ہے جو اسکی حقیقی فکر ہوتی ہے۔جہاں اسکی کوئی مجبوری نہیں ہوتی۔

پندرھواں الزام: ''سید ابوالاعلیٰ مودودی حنفی تھے۔اور انہوں نے کبھی غیر مقلد ہونے کا دعویٰ نہیں کیا''

اگر یہ الزام درست ہے تو؟

آپکا مئوقف سراسر غلط ہے۔مودودی صاحب فکری ونظریاتی طور پر مکمل غیر مقلد تھے۔چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں کہ

''میرے نزدیک صاحب علم آدمی کیلئے تقلید ناجائز اور گناہ بلکہ اس سے بھی کچھ شدید تر چیز ہے۔'' (رسائل ومسائل حصہ اول،ص ۲۴۴ طبع دوم)

مودودی صاحب کسی بھی صاحب علم آدمی کیلئے تقلید کو ناجائز، گناہ بلکہ اس سے بھی شدید تر چیز (جو کفر ہی ہوسکتا ہے) قرار دے رہے ہیں۔اور آپ انہیں اچھے عالم تسلیم کرتے ہیں۔یعنی وہ تو آپ کے لیئے بھی تقلید کے دروازے بند کر رہے ہیں۔چہ جائیکہ آپ انہیں مقلد وحنفی ثابت کرسکیں۔۔۔لیکن یہاں یہ سوال اپنے مقام پر بدستور موجود ہے کہ آپ کو آخر اپنے حلقہ درس میں مودودی صاحب کی صفائی دینے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

سولہواں الزام: ''فتنہ مودودیت شیخ الحدیث زکریاؒ کی کتاب نہیں۔ان کا ایک مکتوب ہے۔جوان کے نواسہ نے کاروباری نکتہ نظر سے شائع کر دیا۔اور نام بھی خود ہی تجویز کیا''

یہ درست ہے کہ فتنہ مودودیت حضرت شیخ الحدیث زکریاؒ مہاجر مدنی کا مکتوب ہے لیکن یہ ہرگز درست نہیں کہ وہ انکی اجازت کے بغیر صرف کاروباری نقطہ نظر سے شائع کیا گیا یہ مکتوب ۱۳۹۵ھ ۱۹۷۵ء میں حضرت شیخ الحدیث کی وفات (۲،شعبان ۱۴۰۲ھ بمطابق ۲۵ مئی ۱۹۸۲ء) سے تقریباً ۷، سال قبل شائع ہوا۔اور دارالعلوم دیوبند ومظاہر العلوم،سہارنپور کے علماء کی مشاورت سے طبع ہوا۔ بلکہ حضرت مولانا مفتی محمود الحسنؒ اور حضرت مولانا سید محمد اسعد مدنیؒ کی تقاریظ کے ساتھ چھپا ہے۔اور جب شائع ہونے کے بعد حضرت شیخ الحدیثؒ کے پاس پہنچا تو آپ نے اسے پسند کیا بلکہ بعض لوگوں نے جب اس کے نام پر اعتراض کیا تو حضرت شیخ الحدیثؒ نے فرمایا کہ فتنہ کو اگر فتنہ کے عنوان سے نہ متعارف کرایا جائے تو کیسے پتہ چلے گا کہ یہ فتنہ ہے؟۔۔۔لیکن اگر آپ کے مئوقف کو ہی درست تسلیم کر لیا جائے تو ہمارا پہلا سوال یہ ہے کہ آخر آپ کو اپنے حلقہ درس میں اس بحث کی ضرورت کیوں پیش آئی؟۔۔۔اور دوسرا سوال یہ ہے کہ آپ نے حضرت شیخ الحدیثؒ کا یہ جو مکتوب دیکھا ہے۔کیا اس کے پڑھنے کے بعد بھی آپ مودودی صاحب کی حسنات کو ان کی سیئات سے زیادہ قرار دیں گے؟اور ان کی خدمات کو پھر بھی خراجِ تحسین پیش کریں گے؟

سترہواں الزام: ''ہمارے اکابر کی تحریریں پیچیدہ تھیں۔مودودی صاحب پہلے شخص ہیں جنہوں نے دین کو عام فہم انداز میں پیش کیا۔اور لوگوں نے اسے سمجھا''

اگر یہ الزام درست ہے تو؟

جو لوگ آپ کی ان عبارات سے یہ نتیجہ اخذ کر رہے ہیں کہ آپ تبلیغی جماعت کے اندر مودودی جماعت کے ترجمان ہیں تو انہیں کیسے اس سے روکا جا سکے گا؟ آپ نے اپنے اکابر اور مودودی صاحب کا موازنہ جس انداز سے پیش کیا ہے اس سے آپ کے حلقہ درس کے طلبہ کی کیا تربیت ہوگی؟ کیا شعوری یا غیر شعوری طور پر آپ اپنے حلقہ درس کی مودودیت کی حمایت میں ذہن سازی تو نہیں کر رہے؟ اور آپ کا حلقہ درس غیر محسوس طریقہ سے مودودی نظریات کے کیمپ میں منتقل تو نہیں ہو رہا؟

اٹھارہواں الزام: ''حاجی عبدالوہاب صاحب عجیب انسان ہیں جو سوچ کی بلندی اور وسعتِ فکر اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے آج کل کے سارے حضرتِ مولانا اور علامے اس شخص کے قدموں کی خاک بھی نہیں ہیں''

اگر یہ الزام درست ہے تو؟

حاجی صاحب زید مجدہم کی عظمت اور انکی وسعتِ فکر سے کون اختلاف کر سکتا ہے؟ لیکن آج کل کے علماء کرام سے ان کے موازنہ کا یہ انداز ہرگز دعوتی وتبلیغی نہیں ہے۔ یہ انداز صرف اس وقت اختیار کیا جاتا ہے جب اپنے مخاطب کے دل کے اندر اپنی پسندیدہ شخصیت کی عظمت بٹھانے اور اس کے علاوہ باقی سب شخصیات کو اس کے دل سے نکالنا مقصود ہو۔آپ کے اس طرز فکر کا ری ایکشن یہ ہوا کہ ایک

بزرگ مجھے کہنے لگے کہ

''طارق جمیل جس حاجی عبدالوہاب کے گن گاتا ہے وہ کالج کے دور میں ابوالاعلیٰ مودودی کا کلاس فیلو تھا۔''

میں نہیں جانتا کہ اس میں کس حد تک صداقت ہے؟ لیکن آپ جیسے ذمہ دار تبلیغی کی طرف سے جب علماء کرام کی حاجی صاحب کے قدموں کی خاک قرار دیا جائیگا تو کیا اس کا ری ایکشن یہ نہیں ہوگا؟ آپ خود غور کیجئے کہ آپ کس کی جنگ لڑ رہے ہیں؟

انیسواں الزام: ''دیوبندی، بریلوی، اہلِ حدیث، شیعہ سارے حق ہیں۔ بریلوی اپنے عقائد کے حوالہ سے اسلام میں داخل ہیں۔ امام احمد رضا کی تحریروں میں (کوئی ایسی بات نہیں جو حدِ کفر تک پہنچائے۔ ناشر) کفر نہیں۔ وہ صرف جذبہ عشق میں بدعت کی حد تک پہنچے''

اگر یہ الزام درست ہے تو؟

آپ خان احمد رضا خان بریلوی اور دیگر بریلوی اکابر کی تحریرات سے واقف نہیں۔ علمِ غیب، حاضر و ناظر اور مختارِ کل وغیرہ عقائد میں انکی توجہات و توضیحات شرک کی حدوں کو چھو رہی ہیں۔ اگر چہ تمام بریلویوں کے کفر پر فتوٰی دینے سے علماء دیوبند نے احتیاط برتا ہے۔ لیکن وہ بریلوی علماء جو انبیاء کرامؑ و اولیاءؒ عظام کو عالم الغیب اور حاضر و ناظر مانتے ہیں انہیں کیونکر مشرک قرار نہیں دیا جا سکتا؟ اگر اس بارہ میں آپ کو حضرت شیخ مدظلہ پر اعتماد نہ ہو تو حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ اور حضرت مولانا مرتضٰی حسن چاندپوری: کی کتب (ورسائل) ضرور ملاحظہ کر لیجئے۔

بیسواں الزام: ''شیعہ کلمہ میں زیادتی کے قائل نہیں۔ علی ولی اللہ بھی ان کے عامتہ الناس کا اضافہ ہے''

اگر یہ الزام درست ہے تو؟

ہماری گذارش ہے کہ شیعہ کلمہ کو ان کے نصاب دینیات اور اسکی معاون کتب میں ملاحظہ فرمائیے۔ اور علی ولی اللہ بھی ان کی عامتہ الناس کا اضافہ نہیں کراچی سے خیبر تک انکی تمام امام بارگاہوں کی آذان کا حصہ ہے۔ اگر آپ سن سکیں تو؟

اکیسواں الزام: ''حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عقیدہ اجتماعی ہے سب سے پہلے انکار مولانا حسین علیؒ نے کیا''

ایک مدت تک مولانا مفتی نظام الدین شہیدؒ بھی اس غلط فہمی میں مبتلا رہے۔ مگر یکم، ۲ مئی ۲۰۰۴ء کو باغ آزاد کشمیر میں خدمات دارالعلوم دیوبند کانفرنس کے موقع پر مجھے فرمایا کہ اس سے پہلے میں واقعی اس مسئلہ کو حضرت مولانا حسین علیؒ کا تفرد خیال کرتا تھا۔ لیکن اب میری غلط فہمی دور ہو چکی ہے۔۔۔ شائد آپ بھی منکرین حیات الانبیاء کے پرپیگنڈہ کا شکار ہیں۔ اگر آپ نے حضرت شیخ مدظلہ کی کتاب تسکین الصدور، توجہ سے مطالعہ کی ہوتی تو کبھی بھی اس غلط فہمی کا شکار نہ ہوتے۔ ہمارے حضرت امام المفسرین مولانا حسین علی صاحبؒ کبھی بھی عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منکر نہیں رہے۔ ہمارے عہد میں سب سے پہلے اس عقیدہ کا انکار سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری نے کیا ہے۔

بائیسواں الزام: ''منبر پر اختلافی مسائل بیان کرنا مزاج نبوت کے خلاف ہے''

معلوم نہیں اختلافی مسائل سے آپ کی کیا مراد ہے؟ اگر آپ کی مراد فروعی مسائل ہیں تو ایسا اختلاف عہد نبوی ﷺ میں موجود ہی نہ تھا۔ اور اگر اصولی و اعتقادی مسائل مراد ہیں تو شرک کی تردید، یہود و نصاریٰ کے عقائدِ باطلانہ کا رد مزاج نبوت کے عین مطابق ہے۔۔۔ منکرین زکوٰۃ، منکرین ختم نبوت اور مرتدین کی برسر منبر مخالفت مزاج صدیقیت کے عین مطابق ہے۔۔۔ اسلاف امت نے ہر دور میں معتزلہ، قدریہ، کرامیہ، روافض، خوارج، قادیانیت، پرویزیت وغیرہ فتنوں کا جو برسرِ منبر رد کیا ہے کیا وہ مزاج نبوت سے بے خبر تھے؟ حقیقت یہ ہے کہ وقت کے تقاضوں کے تحت اختلافی مسائل بیان کرنا ہی مزاج نبوت کے مطابق ہے۔ لوگوں کو فتنوں سے آگاہ نہ کرنا اور ان کیلئے گمراہی کا راستہ آزاد رکھنا کیسے مزاجِ نبوت کے مطابق ہوسکتا ہے؟

تئیسواں الزام: ''دعوت و تبلیغ کا فریضہ پوری امت کیلئے ہے۔ اسمیں نہ مرد و عورت کی تخصیص ہے اور نہ عالم و جاہل کی''

اسی پر فقیہ العصر حضر مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذیؒ کا مستقل رسالہ موجود ہے، اسے ضرور ملاحظہ فرمائیے۔ لیکن یہ بات میری سمجھ سے بالا ہے کہ جاہل کیا دعوت و تبلیغ کرے گا؟ ہم تو بزرگوں سے یہی سنتے رہے کہ جماعت کے اندر علماء کرام کو دعوت کیلئے اور عام لوگوں کو اصلاح کیلئے بلایا جاتا ہے۔

چوبیسواں الزام: ''ہم چونکہ معیاری مسلمان نہیں اس لئے ہمیں اصلاح کیلئے نبوی ﷺ دور اور خلفاء راشدینؓ اور دور صحابہؓ سے مثال نہیں ملے گی۔ بدر و اُحد و خندق ہمارے لئے دلیل نہیں۔ ہمیں پیچھے جانا پڑے گا۔ اور بنی اسرائیل کے دور سے راستہ لینا ہوگا۔''

یہ الزام اگر درست ہے تو؟

بڑا خوفناک اور بھیانک ہے عجیب تصور ہے کہ معیاری مسلمان بننے کیلئے بنی اسرائیل سے راستہ لو۔ اور معیاری مسلمان بن کر صحابہؓ خلفاءِ راشدینؓ اور نبوی ﷺ دور سے راستہ لو۔ معیاری مسلمان بننے کیلئے بنی اسرائیل کی دہلیز پر جانے کا مشورہ بہت ہی حیران کن ہے۔ کیا بنی اسرائیل معیاری مسلمان تھے؟ اگر وہ معیاری مسلمان نہ تھے تو ہم ان سے راستہ لیکر معیاری مسلمان کیسے بن سکیں گے؟ آپ کے اسی حیرت انگیز فلسفہ پر چند بزرگوں کے جو تبصرے سامنے آئے ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) مولوی طارق جمیل نے جہاد جیسے فریضہ سے جان چھڑانے اور دوسروں کی جان چھڑوانے کیلئے بڑا بہترین راستہ دیدیا ہے۔ کیونکہ اگر نبوی ﷺ دور اور صحابہؓ کے دور سے راہنمائی حاصل کریں گے اور بدر و احد و خندق کو دلیل بنائیں گے تو جہاد و قتال کرنا پڑے گا۔ اس لیئے بہتر ہے بنی اسرائیل سے راستہ لو۔ وہ بڑی سہولت کا راستہ دیں گے۔ ''فاذهب انت و ربک فقاتلا انا ههنا قاعدون'' (اے موسیٰ تم اور تمہارا رب جاؤ اور جہاد کرو ہم یہیں بیٹھے ہیں)

(۲) دوسرے بزرگ کا بنصرہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ قیامت نہیں آئیگی، جب تک میری امت کا ایک طبقہ بنی اسرائیل کے نقش قدم پر نہ چل نکلے۔ مولوی طارق جمیل صاحب اس نبوی ﷺ پیشن گوئی کا راستہ صاف کر رہے ہیں۔ میں ان دونوں

بزرگوں کے تبصرہ پر فی الوقت کوئی رائے قائم نہیں کرنا چاہتا۔صرف آپکی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ اپنے فرامین پر لوگوں کے ردعمل کو نظر انداز نہ فرمایئے۔

پچیسواں الزام: ''مولانا سرفراز صاحب ہمارے سر کے تاج ہیں۔لیکن انہوں نے ساری عمر منفی پہلو پر لکھا ہے۔منفی پہلو پر لکھتے لکھتے قلم میں شدت آ جاتی ہے۔ ان کی جو کُتب ہیں ان میں بریلویت کا رد، رافضیت کا رد، غیر مقلدیت کا رد، ۔۔۔ رد، رد، رد، ۔۔۔ساری زندگی رد میں گزری، جو آدمی رد کرتا رہتا ہے۔اسکی بات میں شدت آجاتی ہے''

اگر یہ الزام درست ہے تو؟

انتہائی ادب واحترام کے ساتھ چند باتیں عرض کروں گا۔

(۱) حضرت مولانا علامہ عبدالشکور لکھنویؒ نے بھی ساری زندگی رافضیت، خارجیت، بریلویت وغیرہ فتنوں کے رد میں گزاری، لیکن حضرت امام التبلیغ نے انہیں ''امام وقت'' کا خطاب دیا۔آپ بتا سکتے ہیں کیوں؟

(۲) حضرت شیخ مدظلہ کی جملہ تصانیف کو ہندوستان اور پاکستان کے جملہ اکابر علماء کی تائید وتصدیق حاصل رہی۔کیا ایک مولوی طارق جمیل کے چند طنزیہ جملوں سے وہ ختم ہوسکتی ہے؟

(۳) حضرت شیخ مدظلہ کی جن تالیفی وتصنیفی خدمات پر پاکستان کے اکابر علماء نے انہیں ''امام اھلسنت'' کا خطاب دیا مولانا طارق جمیل صاحب ان کا تمسخر اُڑا کر خدا معلوم کس خود فریبی میں مبتلا رہنا چاہتے ہیں؟

(نوٹ) مذکورہ تمام الزامات ہم نے ان مطبوعہ وغیر مطبوعہ مضامین سے نقل کئے ہیں جو ہم تک پہنچے ہیں اور ان کے ثبوت کی ذمہ داری انہی پر ہے۔

میں آپ کا کافی وقت لے چکا ہوں۔۔۔مزید وقت نہیں لینا چاہتا، آپ سے درخواست ہے کہ آپ ان الزامات کے بارہ میں تھوڑی سی وضاحت فرمادیں کہ۔۔۔یہ الزامات غلط وبے بنیاد ہیں؟ یا مجمل وادھورے ہیں؟ یا آپ ان سے رجوع فرما چکے ہیں؟۔۔۔ آپ کی تھوڑی سی وضاحت ان گنت لوگوں کو گمراہی سے بچا سکتی ہے۔۔۔بے شمار افراد کو بدگمانی وتشویش سے نجات دلا سکتی ہے۔۔۔اور ہمارا مقصد بھی مسلک حقہ کے حقیقی افکار ونظریات کو بچانے۔۔۔اور مسلکی افراد کو تشویش وپریشانی سے نکالنے کے سوا کچھ نہیں۔آپ کا تعاون بہت سی مشکلات کا ازالہ کرسکتا ہے۔امید ہے کہ آپ خصوصی اور فوری شفقت فرمائیں گے۔خدا تعالیٰ آپ کو تمام شرور وفتن سے محفوظ فرمائے۔آمین یارب العالمین

جملہ اکابر واصاغر کی خدمت میں حضرت شیخ مدظلہ اور ناچیز کی طرف سے سلام مسنون عرض کردیں۔اور حضرت شیخ مدظلہ کی صحت و عافیت کیلئے خصوصی دعا کی درخواست بھی کردیں۔

والسلام عبدالحق خان بشیر

(دستخط)

مدرسہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، محلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، گجرات
۲۹ ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ ۲۶ اپریل ۲۰۰۹ء

---

sangeenfitna.blogspot.com
www.facebook.com/sangeenfitna1